تفسیر المیزان کا

نظم و اسلوب

☆از : پروفیسر محمد واعظ زادہ خراسانی

درحقیقت قرآن وہ مقدس آسمانی کتاب ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت ورہنمائی کیلئے کائنات کے خالق ومالک کی طرف سے پیغمبر عظیم الشان حضرت محمد مصطفیٰؐ کے قلب مبارک پر نازل کی گئی۔ گذشتہ ۱۴۲۰ برسوں میں دنیا کی مختلف زندہ زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوچکا ہے اور دنیا کے سیکڑوں نامور علماء و دانشمند اس کتاب کی تفسیریں بھی لکھ چکے ہیں تاکہ انسانی ذہن کو سادہ اور آسان علمی روش کے ذریعہ الٰہی پیغام سے روشناس کیا جاسکے۔

عصر حاضر میں ایک خفیہ بین الاقوامی اسلام دشمن سازش کے نتیجے میں پوشیدہ طور پر یہ پروپگنڈہ کیا جارہا ہے کہ قرآن الٰہی کلام ہونے کی وجہ سے انسانی فہم ودرک میں آنے والی چیز نہیں ہے لہذا اس کے معنی ومفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہ کرنی چاہئے بلکہ فقط اس کی آیتوں کی تلاوت وتکرار کافی ہے ایسا ہرگز نہیں ہے اگر ہم قرآنی مفہوم کی طرف توجہ نہ کریں گے تو اس سے ہدایت ورہنمائی کیسے حاصل ہوگی اور اس کتاب کا بنیادی مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور اس کا سمجھنا قدرے دشوار تو ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں ہے۔اس کے معنی ومفہوم کے سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ

اور ائمہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کے علاوہ نامور مسلمان علماء و مفکرین کی تفسیریں اس سلسلے میں بے حد مدد و معاون ہیں اور تفسیر المیزان ان تفسیروں کے درمیان نمایاں اہمیت کی حامل ہے جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے اور جس کے مولف علامہ محمد حسین طباطبائی نے نہایت سادہ، عام فہم اور موثر انداز میں الٰہی ارشادات کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اس تفسیر کے نظم واسلوب کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

میری بحث و گفتگو کا موضوع تفسیر المیزان کا نظم واسلوب ہے اور تفسیروں کی روش کے سلسلے میں دو طرح کی بحث موجود ہے۔ بحث کی ایک قسم "مکاتب تفسیری" یا "روشہای تفسیری" یا "مذاہب تفسیری" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی جتنی بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک تفسیر ایک مخصوص علمی مرتبہ کی حامل ہے۔ بعض تفسیروں کی بنیاد روایت ہے لہذا اسے "روایتی تفسیر" کہا جاتا ہے جس کو "تفسیر ماثور" بھی کہا گیا ہے۔ بعض تفسیریں ادبی پہلو کی حامل ہیں لہذا انہیں "ادبی تفسیر' یا تفسیر بلاغی" یا "تفسیر بیانی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسی طرح بعض تفسیروں میں کلام و فلسفہ اور عرفان جیسے موضوعات پر زیادہ بحث کی گئی ہے لہذا انہیں تفسیر کلامی و عرفانی و فلسفی" کہا گیا ہے اور ہمارے موجودہ دور میں عصری علوم و معارف کی بنیاد پر بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھی گئی ہے جس کو تفسیر علمی کہا جاسکتا ہے اور یہ تفسیر کی ترویج یافتہ راہ وروش میں بہر حال ایک اضافہ ہے۔

علم تفسیر بذات خود ایک مستقل شعبہ علم ہے جس کے بارے میں بیشمار کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔ ابتدائی مرحلہ میں غیر مسلموں نے بھی مثلاً گلدزیہر جرمنی نامی ایک مستشرق

نے ''مذاہب التفسیر الاسلامی'' نامی کتاب لکھی اور اسکے بعد حال ہی میں جامع الازھر کے استاد شیخ محمد حسین ذہبی مصری نے ''التفسیر والمفسرون'' نامی کتاب پیش کی ہے جس میں انہوں نے علمی بنیادوں پر قرآن مجید کی تفسیروں کی راہ وروش کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ میں پروفیسر ذہبی سے الازھر میں ملاقات کر چکا ہوں اور علم تفسیر میں یہ ایک طرح کی مستقل بحث ہے جو فی الحال میرے موضوع سے خارج ہے۔

بحث کی دوسری قسم یہ ہے کہ ہر تفسیر نے انداز بیان اور مطالب کی ترتیب کے اعتبار سے اپنے لئے خصوصی نظم واسلوب کا اتخاذ کیا ہے۔ بعض تفسیریں بہت مفصل، بعض درمیانی سطح کی اور بعض بالکل مختصر ہوتی ہیں۔ بعض شرح و متن کی حامل ہیں اور بعض طالب علموں کی اصطلاح میں درحقیقت ،شرح ومزج'' ہیں یعنی تفسیر کو قرآنی متن سے جوڑ دیتے ہیں۔ بعض لوگ موضوع اور عنوان کو الگ الگ بیان کرتے ہیں اور بعض اس علحدگی کے قائل نہیں ہیں اور مختلف النوع مطالب کو ایک ہی ساتھ بیان کردیتے ہیں۔ یہ ہیں وہ جملہ امور جو اسلوب تفسیر سے مربوط ہوا کرتے ہیں اور اب تک دانشوروں نے تفسیر کے نظم واسلوب پر نہ کوئی سیر حاصل بحث کی ہے اور نہ کوئی تفصیلی تجزیہ البتہ تفسیری مکاتب کے بارے میں کافی کچھ لکھا جاچکا ہے اور سر دست مذہبی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں اس کی باقاعدہ تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔

میری بحث و گفتگو کا موضوع یہ ہے کہ المیزان میں مرحوم علامہ محمد حسین طباطبائی نے کون سا نظم واسلوب اختیار کیا ہے اور کیا وہ ہمیشہ ایک ہی نظم واسلوب پر قائم رہے ہیں؟ اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ لازمی معلوم ہوتا ہے کہ بعض اہم تفاسیر مثلاً ام التفاسیر طبری کے نظم واسلوب کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھا جائے کیونکہ اس کو

تفسیر ماثور کے درمیان غیر معمولی عظمت واہمیت حاصل ہے۔ طبری پہلے قرآنی آیت کا ذکر کرتا ہے اسکے بعد اس کا معنی و مفہوم پیش کرتا ہے اور اس کے بعد صدر اسلام کے مفسرین مثلاً صحابہ اور تابعین نے اس آیۂ مبارکہ کے ذیل میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے اور کبھی کبھی وہ ایک لفظ کے معنی و مفہوم کو مختلف طریقوں سے بیان کرتا ہے اور ہر طریقہ دو تین سطریں لے لیتا ہے مثلاً کسی ایک بات کو ابن عباس سے دو تین طریقوں سے اس طرح نقل کرتا ہے کہ نصف صفحہ لگ جاتا ہے اور کبھی کبھی مختلف اقوال کے درمیان یہ فیصلہ کرنے لگتا ہے کہ فلاں قول کو بظاہر ترجیح دی جاسکتی ہے کیونکہ یہ قرآنی مفہوم سے زیادہ قریب ہے بہر حال تمام تفصیلات کے بعد وہ قرآن مجید کی دوسری آیت کی تفسیر کا کام شروع کرتا ہے۔

تفسیر تبیان کو شیعوں کی سب سے زیادہ اہم اور قدیمی تفسیر کہا جاتا ہے جس کو شیخ طوسی (۳۸۵-۴۶۰ھ) نے تالیف کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر لغوی بحث سے کام لیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ وہ لغوی اصطلاحات میں غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے۔ اکثر عرب دانشوروں نے ان کی تفسیر کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ تفسیر بیان کرتے ہوئے بھی معنی بتانے لگتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کوئی مخصوص نظم و ترتیب کارفرما نہیں ہے۔ عبارت میں علم کلام کے مباحث کو فقہی مسائل و مباحث کے ساتھ مخلوط کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم امین الاسلام طبرسی نے تفسیر تبیان ہی کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیتے ہوئے اس میں ایسا نظم قائم کر دیا جو آج تک عدیم المثال ہے۔ مثلاً نظم و ترتیب کے دائرہ میں ایک آیت سے دوسری آیت کا اور ایک سورہ سے دوسرے سورہ کا ربط بیان کیا گیا ہے اور معنی و مفہوم بیان کرتے وقت لفظ بہ لفظ اور

جملہ بہ جملہ کی تفسیر پیش کی گئی ہے اور اس طرح علامہ طبرسی نے تفسیر تبیان کو غیر معمولی طور پر منظم و مرتب بنا دیا ور اس میں لازمی چیزوں کا اضافہ کرتے ہوئے اسے اور زیادہ مقبول و معتبر انداز میں پیش کر دیا۔

تفسیر فخر رازی در حقیقت اہلسنت کی ایک اہم تفسیر ہے لیکن اس میں یہ نظم موجود نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ مولف نے ایک آیہ کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال کو فہرست وار یکے بعد دیگرے کچھ اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ یہ انداز پوری تفسیر کو منظم بنا دیتا ہے۔

"تفسیر قُرطُبی" اہلسنت کی اہم ترین تفسیروں میں سے ایک ہے لیکن افسوس کی بات ہے کہ اس تفسیر کی اب تک مکمل شناخت نہیں ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ سترہ یا اٹھارہ سال قبل اپنے سفر کے دوران جامعہ الازہر کے استاد تفسیر سے، جو نابینا تھے، میں نے یہ دریافت کیا تھا کہ آپ کی نظر میں کونسی ایسی تفسیر زیادہ عمدہ اور معتبر ہے؟ تو ان کا جواب تھا "تفسیر قُرطُبی" میں اس تفسیر کا مکمل اور باقاعدہ مطالعہ کر چکا ہوں۔ اس کتاب میں بھی مختلف مطالب باہم مخلوط ہیں لیکن بعض آیتوں میں محض معنی و مفہوم کے بیان ہی پر اکتفا کی گئی ہے۔ مولف نے لغوی بحث پر زور دیتے ہوئے فقہی مباحث پر بھی سیر حاصل اور نہایت تفصیلی بحث کی ہے اور اس تفصیل کا یہ عالم ہے کہ اگر فقہی مباحث کو الگ کر دیا جائے تو در حقیقت احکام الآیات پر ایک مفصل کتاب تیار ہو جائے گی اور شاید یہی وجہ ہے کہ اس کتاب تفسیر کا نام "الجامع الاحکام القرآن" ہے۔

اسی طرح آخری دور میں لکھی گئی تفسیروں کو دیکھا جائے تو "تفسیر المنار" میں زیادہ نظم تو دکھائی نہیں دیتا لیکن اس میں دیگر خصوصیات زیادہ دکھائی دیتی ہیں جس کا ذکر

تفسیر طنطاوی کی خصوصیات کے ساتھ آگے کیا جائے گا۔

علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں نظم واسلوب کے سلسلے میں ایسے بنیادی اصول اپنائے ہیں جو قرآن مجید کے ہر سورہ میں موجود ہیں۔ایک سورہ کی تفسیر کے ذیل میں وہ اس سلسلے میں بیان فرماتے ہیں کہ "قرآن مجید کے ہر سورہ میں ایک حقیقی اور اصلی مقصد موجود ہے جو اس سورہ کا محور کلام و مرکز بیان ہے۔" اس کے علاوہ سورہ کا ایک مقدمہ یا کئی مقدمات بھی ہوتے ہیں اور آخری حصہ میں اس کا نتیجہ بیان کیا جاتا ہے۔

علامہ نے بعض سوروں میں اس بات کو بخوبی بیان کیا ہے مثلاً دیگر سوروں کی طرح سورۂ جمعہ [1] میں وہ ابتدائی مرحلہ میں ہی یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ سورۂ جمعہ کا اصلی اور بنیادی مقصد نماز جمعہ کی اہمیت کا بیان ہے اور خداوند عالم اس بات کو مختلف مقدمات کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ابتدائی منزل میں وہ تسبیح کے ہمراہ الٰہی جلال وجمال کی صفات بیان کرتا ہے۔اور اس کے بعد ان صفات جمال وجلال کے مطابق وہ بعثت کے اہم مقاصد بیان کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایسے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو ان صفات کا حامل ہے اور اس کے نزول کا یہ مقصد ہے۔اس کے بعد انحرافات کی نشاندہی دکھائی دیتی ہے جو دیگر آسمانی کتاب یا اس کے استفادہ میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ان میں فقط لفظ پر اکتفا کرتے ہیں اور مفہوم کی طرف زیادہ توجہ نہیں دیتے ہیں جیسے مثل الذین حمّلوا التوراۃ ثمّ لم یحملوھا..." کو اسی مقصد کے تحت بیان کیا گیا ہے۔پس ان مقدمات کو بخوبی بیان کرنے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف متوجہ ہوتے ہیں "یاایھا الذین آمنوا اذانودی للصّلوۃ...

اسی طرح سورہ یٰسٓ [2] کے بیان میں وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سورہ کا بنیادی

مقصد مذہب کے تین بنیادی اصولوں کا بیان ہے۔ پہلی منزل میں نبوت اور اس کو قبول کرنے کے سلسلے میں لوگوں پر طاری ہونے والی کیفیت کی ترجمانی دکھائی دیتی ہے اور اس کے بعد توحید اور قیامت کا ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں آغاز بحث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان تینوں اصولوں کو مختلف دلیلوں کے ساتھ ذکر کرتے ہیں کبھی علامہ طباطبائی بھی یہ اعتراف کرتے ہیں کہ کوئی سورہ محض ایک ہی مقصد کا حامل نہیں ہوا کرتا ہے۔ مثلا سورۂ توبہ ۳۰ کے آغاز میں کہتے ہیں کہ اس سورہ کی آیتوں میں موجود معانی و مفاہیم کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورہ مشخص و نمایاں اغراض و مقاصد پر مشتمل دیگر سورتوں کی طرح کسی انفرادی مقصد کا حامل نہیں ہے۔

کبھی کبھی علامہ ایک سورہ کو اس کی مخصوص خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں مثلاً سورۂ یونس ۳۱ کے بارے میں، جس میں منکروں کو ڈرایا گیا ہے، وہ بیان فرماتے ہیں کہ منکروں پر عذاب خداوندی کو اس سورہ کی بنیادی خصوصیت قرار دیا جا سکتا ہے جو سورہ کے آخری حصہ میں آیا ہے۔ بہر حال مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سورہ کو ڈرانے والے سورہ کے نام سے پہچانیں۔

کبھی کبھی علامہ ایسے مفسرین پر اعلانیہ اعتراض کرتے ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید کے دو سوروں میں ایک ہی مقصد کی ترجمانی کی گئی ہے مثلاً سورۂ ھود ۳۲ کے آغاز میں سورہ کا مقصد بیان کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ مقصد کی وضاحت تو ہو گئی لیکن بعض لوگوں کا یہ سوچنا بالکل غلط ہے کہ سورۂ یونس اور سورہ ھود میں ایک ہی مقصد کی ترجمانی کی گئی ہے ایسا ہر گز نہیں ہے بلکہ دونوں سوروں میں دو مختلف مقاصد کا ذکر موجود ہے۔

یہ ایک مستقل بحث ہے کہ کیا قرآن مجید کے تمام سوروں میں سے ہر ایک سورہ ایک ہی

جگہ نازل ہوا ہے؟ اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ بعض استثنائی مواقع کو چھوڑ کر ایسا ہی ہوا ہے اور قرآنی علوم پر لکھی گئی کتابوں میں کسی سورہ کی ہر آیات کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ ''زلت فی کذا'' تو اس کا مطلب در حقیقت موضوع کی تفسیر و مطابقت ہے اور اس کا مطلب پہلی اور بعد کی آیات میں جدائی و علیحدگی ثابت کرنا نہیں ہے۔ جی ہاں! اس قسم کی استثنائی باتیں ضرور ہیں۔ علامہ طباطبائی کا یہ بیان قرآنی سوروں کے بارے میں بڑی مطابقت رکھتا ہے۔

اس مفصل مقدمہ کے بعد اب ہم اپنے موضوع کے بارے میں بحث کرنا چاہتے ہیں کہ علامہ ایک سورہ کی تفسیر کی شروعات کس طرح کرتے ہیں۔ وہ قرآن مجید کے ہر سورہ کے بارے میں اپنے مخصوص عقیدہ کی بنیاد پر ایک طرح کی فصل بندی کرتے ہیں لیکن وہ طنطاوی کی طرح یہ نہیں بتاتے کہ اس سورہ میں کتنی فصل ہیں۔ طنطاوی نامی مفسر کا زمانہ ہم لوگوں سے بہت قریب ہے اور اس نے اپنی تفسیر بھی عصر حاضر کے علمی اصولوں کے مطابق لکھی ہے اور اس سلسلے میں بے مثال بھی ہے۔ اسی طرح یہ ہر سورہ کی فصل بندی بھی کرتے ہیں مثلاً فصل اول و فصل ثانی وغیرہ اس کے بعد وہ سورہ کی آیات کو مختلف فصلوں میں تقسیم کر کے اس سے بحث کرتے ہیں۔ علامہ طباطبائی فصل بندی تو نہیں کرتے ہیں لیکن عملی طور پر ان کا انداز بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ کبھی کبھی وہ ۲۰، ۲۵ یا ۳۰ آیتوں کا ساتھ ساتھ ذکر کرتے ہیں اور پھر ان کی تفسیر بیان کرتے ہیں اور کبھی دو آیتوں کو ایک جگہ لا کر اس کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی ذاتی استعداد و صلاحیت پر مبنی ہے کہ وہ کتنی آیتوں کو ایک ہی موضوع کا حامل قرار دیتے ہیں اور وہ بحث کا ابتدائی حصہ ہے یا درمیانی حصہ ہے یا آخری حصہ ہے یا پھر سورہ کا اصل موضوع ہے۔

پس آیات کے ذکر کے اعتبار سے تفسیروں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ صاحب تفسیر مجمع البیان چار پانچ آیات کا ذکر کرتے ہیں پھر گزشتہ بحث میں شامل آیات کے آخری حصہ کو دوبارہ بیان کرتے ہوئے آئندہ آیات کی بحث سے مخلوط کر دیتے ہیں اور اس کے بعد بھی اسی روش پر کاربند رہتے ہیں۔ وہ اپنی اس روش کے ذریعہ آیات کے درمیان نظم وربط قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی "النظم" عنوان کے تحت آیات کے درمیان مناسبات وارتباط کی وضاحت کرتے ہیں اور آیات کے درمیان تعلق وارتباط قرآنی علوم و معارف میں شامل ایک اہم موضوع ہے اور علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان" میں اس موضوع پر تفصیلی بحث بھی کی ہے۔ تفسیر المیزان کی طرح دیگر تفسیروں میں ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سورہ کی اتنی زیادہ فصلوں کو ایک ساتھ بیان کیا جائے۔ بہر حال چند باہم مناسبت رکھنے والی آیات کے ذکر اور آیات کی فصل بندی کے لحاظ سے "تفسیر المنار" دیگر تمام تفسیروں سے بہتر ہے۔

مکی اور مدنی سورہ

علامہ طباطبائی سورہ کے سلسلے میں اپنے "بیان" کی شروعات ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ سورہ مکی ہے یا مدنی۔ انہوں نے اس کام کے لئے کبھی سورہ کی ابتدائی آیات اور کبھی روایات کو سند قرار دیتے ہوئے اپنی بات کہی ہے اور اس سلسلے میں موجود اختلاف نظر کی باقاعدہ تنقید بھی کی ہے۔

مثلاً سورۂ انعام۶ کے آغاز میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مفسرین کا متفقہ خیال ہے کہ یہ سورہ مکی ہے لیکن بعض مفسرین نے اس کی ٦ آیات اور بعض نے ۲ آیات اور بعض نے ایک آیت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے

جبکہ آیات کے درمیان موجود ربط واتصال کے ذریعہ ان اقوال کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ائمہ اہلبیتؑ کے اقوال سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ پورا سورہ مکہ میں نازل ہوا ہے۔

اسی طرح سورۂ یوسف ۷ کے سلسلے میں، جو مکی ہے، وہ ابن عباس کی اس روایت کی تردید کرتے ہیں کہ اس کی ۴ آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ سورہ رعد، ۸ جو مسلماً مکی سورہ ہے، کے سلسلے میں وہ بعض مفسرین کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرتے کہ اس کی آخری آیت مدنی اور عبد اللہ بن سلام سے مربوط ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سورۂ ابراہیم ۹ کے سلسلے میں نیز بعض دیگر مقامات پر بھی اپنے خیالات کا باقاعدہ اظہار کیا ہے۔

نمایاں آیات کی تعیین

علامہ طباطبائی نے کبھی کبھی اسی "بیان" کے ذیل میں سورہ کی مخصوص و نمایاں آیت کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ مثلاً سورۂ حجر ۱۰ میں وہ لکھتے ہیں کہ اس سورہ میں عظیم حقائق پر مشتمل قرآن مجید کی مخصوص و نمایاں آیات یہ ہیں۔ "وان من شیٔ الا عندنا خزائنہ۔" نیز "انّا نحن نزلناالذکر وانالہ لحافظون۔" اور اسی طرح سورۂ نور ۱۱ کے سلسلے میں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس سورہ کی اہم و نمایاں آیت نور ہے۔ اللہ نور السموات والارض... ۱۲ اسی طرح سورۂ طہٰ ۱۳ میں علامہ طباطبائی نے "اللہ لاالہ الا ھو لہ الاسلماء الحسنیٰ" ۱۴ کو اس سورہ کی مخصوص اور نمایاں آیت قرار دیا ہے اور تفسیر المیزان میں اس قسم کے انتخابات کی بھرمار دکھائی دیتی ہے۔

قرآن مجید کے بعض سوروں کے نزول کی ترتیب کا تعین

کبھی کبھی علامہ سوروں کے نزول کی ترتیب کو سوروں میں ذکر شدہ مضمون سے اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً سورۂ اعراف [۱۴] کے آغاز میں اس سورۂ میں محرمات کے سلسلے میں موجود آیات " قل لااجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمه ۔" [۱۶] کا سورہ اعراف " انما حرّم ربی الفواهش ماظهر منها ومابطن " [۱۷] سے مقابلہ کرتے ہوئے یہ استنباط کیا ہے کہ سورۂ اعراف در حقیقت سورۂ انعام سے قبل نازل ہوا ہے کیونکہ ان دو آیتوں کے درمیان اجمال اور تفصیل کی نسبت پائی جاتی ہے۔

اسی طرح سورۂ شعراء [۱۸] کے آغاز میں "وانذر عشیر تک الاقربین" [۱۹] اور سورہ حجر کی اس آیہ مبارکہ فاصدع بما تؤ مر واعرض عن المشرکین" [۲۰] کے درمیان مقابلہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ احتمالاً سورۂ شعراء سورہ حجر سے قبل نازل ہوا ہے۔

اسی طرح سورۂ نحل کی ابتدائی آیات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ گمان اغلب یہ ہے کہ اس سورہ کی تقریباً ۴۰ آیات مکہ میں پیغمبر اکرمؐ کے قیام کے آخری دنوں میں نازل ہوئی ہیں لہذا مکی ہیں اور ان آیات کے بعد ۸۰ آیات تک مدنی ہیں کیونکہ یہ اس وقت نازل ہوئی ہیں جب پیغمبرؐ مدینہ میں تھے۔

آیات کا مفہوم و مطلب

سورہ کے آغاز میں زیر عنوان "بیان" ان مسائل کو پیش کرنے کے بعد علامہ مذکورہ آیات کی تفسیر بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی وہ لفظ بہ لفظ اور جملہ بہ جملہ اور

کبھی ایک مکمل آیت کی مکمل تفسیر بیان کرتے ہیں اور ان میں سے جو آیات بالکل واضح ہیں انکی وضاحت نہیں فرماتے۔اس کے بعد وہ لغت کے معنی بیان کرتے ہیں لیکن وہ لغوی بحث میں زیادہ تفصیل سے کام نہیں لیتے جبکہ کتب تفسیر میں ایک لفظ کے بارے میں ایک صفحہ سے زیادہ لغوی بحث دکھائی دیتی ہے اور یہ بحث کتب لغت میں موجود بحث سے زیادہ مفصل اور زیادہ مطمئن کرنے والی ہوتی ہے۔ لمبی لغوی بحث کے سلسلے میں تفسیر قرطبی اور تفسیر تبیان کو پیش کیا جاسکتاہے۔ مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں دونوں کی تلخیص کے ساتھ کچھ اضافہ بھی کیاہے جبکہ علامہ طباطبائی ان لوگوں کے برعکس کم سے کم پر اکتفا کرتے ہیں اور زیادہ تر راغب اصفہانی سے نقل ہے جو مفردات قرآن میں آج بھی صاحب نظر، صاحب مکتب اور واقعاً ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ راغب کی خوبی یہ ہے کہ وہ لفظ کی بنیاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا مفہوم و مطلب بیان کرتے ہیں بلکہ مجمع البیان اور کبھی تفسیر زمخشری سے نقل بھی کرتے ہیں اور کبھی کسی کانام لئے بغیر متعلقہ لفظ کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

علامہ طباطبائی اس کے بعد معنی و مطلب بیان کرتے ہیں پھر اسکے بعد متعلقہ آیات کے سلسلے میں موجود احتمالات کا تذکرہ کرتے ہیں لیکن بات کو طولانی ہرگز نہیں ہونے دیتے۔ یہ ایک نہایت عمدہ تلخیص ہے جس میں مختلف لوگوں کے خیالات موجود ہیں اور قاری ان خیالات کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد ان کی تائید بھی کرسکتاہے اور تردید بھی۔

اور اکثر وہ اپنی تفسیر کے آخری مرحلہ میں یہ فرماتے ہیں کہ طریقہ وہ بہتر ہے جو ہم نے عرض کیاہے۔ لیکن فلاں وجہ کی بھی توجیہ پیش کی جاسکتی ہے اور علامہ کسی حد تک اس بحث کو جاری رکھتے ہیں لیکن اس کو طولانی نہیں ہونے دیتے لیکن اگر بحث کا موضوع

اصول اسلام یا اصول مذہب شیعہ ہے تو پھر بحث کو جاری رکھتے ہیں اور کبھی کبھی تو وہ صاحب خیال کا نام بھی لے لیتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں تفسیر المنار کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس میں شیعہ پہلو کی کثرت دکھائی دیتی ہے اور اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان ایک طرح کی حساسیت بھی پائی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ علامہ طباطبائی کو یہ حساسیت اپنے استاد شیخ جواد بلاغی سے حاصل ہوئی ہے۔

مرحوم شیخ جواد بلاغی ہمارے دور کے اکثر ایسے اساتذہ کے استاد رہے ہیں جن کا تعلق غیر فقہی موضوعات سے رہا ہے۔ استاد علامہ طباطبائی، مرحوم آیت اللہ میلانی اور حضرت آیت اللہ خوئی نے ان سے درس حاصل کیا تھا۔ علامہ بلاغی جامعیت میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے اور اپنے عقیدہ کا ڈٹ کر دفاع بھی کرتے رہے ہیں لیکن خصوصیت کے ساتھ تفسیر المنار کے مباحث کے سلسلے میں ، جو ایک جدید طرز پر اور خصوصی انداز بیان کے ساتھ لکھی گئی اور جس میں بعض شیعی اعتقادات کے سلسلے میں مخالفانہ بحث بھی چھیڑی گئی ہے، وہ کافی حساس رہے ہیں جبکہ اس زمانے میں لوگ تفسیر "المنار" کی جانب خصوصی طور پر متوجہ تھے کیونکہ فوری طور پر کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو گیا اور آج بھی دنیا کے اکثر مفسرین کے ذہن پر مسلط ہے۔

مرحوم شیخ جواد بلاغی نے اصلی مباحث میں جو تفسیر المنار میں موجود ہیں، غیر معمولی مہارت واستادی کا مظاہرہ کیا ہے اسی سورۂ حمد سے شروعات ہوتی ہے اور توحید کی اصلی بحث اور محمد عبدہ کی یکتا پرستی و عبادت کے سلسلے میں وہ مخصوص عقیدہ کے حامل ہیں اور ان کا عقیدہ دوسرا ہے۔ اسی طرح دوسرے مباحث میں بھی نظریاتی اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ تفسیر بلاغی ناتمام رہ گئی اور اس کے دو تین چھوٹے جز ہی

شائع ہو سکے ہیں۔ ابھی وہ سورۂ نساء کی کچھ آیات ہی تک پہونچ سکے تھے کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ وہ فقہی وکلامی مباحث اور ادیان و مذاہب میں بھی صاحب نظر اور ماہر روزگار تھے۔ مسیحی اور دیگر مذاہب کی تردید میں بھی انہوں نے کتابیں تالیف کی ہیں اور کتاب تفسیر میں انکی جملہ معلومات کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔

قرآن سے قرآن کی تفسیر

علامہ طباطبائی نے ہر آیت کی تفسیر کے دوران جس چیز پر خصوصی توجہ دی ہے اور تفسیر نویسی کے ابتدائی مرحلہ میں جس بات پر خصوصی تاکید فرمائی ہے وہ قرآن سے قرآن کی تفسیر ہے چنانچہ کتاب المیزان کے مقدمہ میں ہی انہوں نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے اور اپنی بات کو انتہائی واضح انداز میں یوں پیش کرتے ہیں۔
"قرآنی آیات کے بیان کے لئے خود قرآن مجید اور خداوند عالم کی ذات سے بہتر کوئی نہیں ہے اور خوش قسمتی کی بات ہے کہ شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو جس کا ذکر قرآن مجید نے کم سے کم دو تین مرتبہ نہ کیا ہو لہٰذا ہم لوگوں کو چاہئے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کریں۔

مرحوم شیخ فیض کاشانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی تفسیر صافی کے ایک مقدمہ میں اسی خیال کا اظہار کیا ہے اور دیگر مفسرین بھی متعدد مقامات پر اس کا برابر اظہار کرتے رہے ہے۔ یہ علامہ طباطبائی کی ایجاد نہیں ہے خود مرحوم طبرسی بھی ایک آیت کی وضاحت کیلئے دوسری مشابہ آیت نقل کرتے رہے ہیں یا اپنی بات کی تائید میں قرآنی آیت پیش کرتے رہے ہیں لیکن علامہ طباطبائی اپنی تفسیر میں اس کا باقاعدہ اہتمام کرتے ہیں۔

البتہ مشابہ آیات کے انتخاب میں علامہ نے جو جد و جہد کی ہے وہ کسی ایجاد سے کم نہیں ہے کبھی کبھی وہ ایسی آیتوں کو مشابہ آیت کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جس کے

بارے میں انسان سوچ بھی نہیں سکتا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جملہ قرآنی علوم ومعارف پر انہیں مکمل دسترس حاصل رہی ہے۔ کبھی کبھی وہ کسی دوسرے موضوع کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ایسی آیت پیش کرتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے زیر بحث آیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ اسی آیت سے مشابہ موضوع کی تفسیر بیان کر دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں مجھے ایک بات جو نہایت واضح اور بہت حساس نظر آتی ہے وہ سورۂ حمد کی تفسیر ہے۔"اھدنا الصراط المستقیم" کے بیان میں وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر اس بات پر منحصر ہے کہ ہم سبیل وصراط کے بارے میں ایک مفصل بحث کریں۔ اس کے بعد وہ مختلف موضوعات کے بارے میں ایک تفصیلی بحث کرتے ہوئے آخر میں یہ نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ صراط مستقیم کیا ہے اور آخر اس کا مفہوم ومطلب کیا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر لازمی ہے کہ آخری دور میں لکھی گئی تفسیریں اگرچہ عمیق اور تحقیقی نہیں ہیں لیکن جس تفسیر نے پوری طرح سے منظم اور معیاری بحث کا اہتمام کیا ہے وہ تفسیر مراغی ہے جس کے مولف احمد مصطفیٰ المراغی ہیں جو مشہور عالم دین شیخ مصطفیٰ مراغی کے فرزند اور شیخ محمد عبدہ کے شاگرد اور اپنے دور کے صاحب نظر مفکر رہے ہیں۔ انہوں نے جامعہ الازھر میں بہت سی اصلاحات انجام دیں اور اس سلسلے میں غیر معمولی جدوجہد سے بھی کام لیا۔ ان کی تفسیری بحثیں بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کے فرزند احمد مصطفیٰ نے ایک مکمل تفسیر لکھی ہے جو بہت منظم ہے لغوی بحث کو پہلے وہ المفردات کے عنوان سے پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد المعنی الجملی کی منزل آتی ہے اور آخر میں المعنی التفصیلی کا بیان آتا ہے اور یہ بھی ایسا اہتمام کرتے ہیں کہ جس آیت کی تفسیر

بیان کر رہے ہیں اس سے مشابہ مفہوم والی آیات کا ذکر اس کے ساتھ ضرور کریں۔

تفسیر المیزان میں مستقل بحث

علامہ طباطبائی کی حتی الامکان کوشش رہی ہے کہ وہ مستقل اور مفصل بحثوں کو ایک جگہ پیش کریں اور دوسری جگہوں پر اس کا حوالہ دیں۔ مثلاً سورہ المص ۲۱ کے آغاز میں حروف مقطعات قرآن کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہیں اور پھر سورہ حم عسق ۲۲ میں ان حروف کا حوالہ پیش کرتے ہیں۔

علامہ طباطبائی ان حروف کے بارے میں جو بحث کرنا چاہتے ہیں اس کو تفسیر کی بحث سے مخلوط نہیں کرنا چاہتے اور ان کا یہ کام یقیناً ایک عمل مستحسن ہے۔ آیات قرآنی کے بارے میں وہ اپنی پہلی مستقل بحث "روایاتی بحث" کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ روایاتی بحث میں یہ ہوتا ہے کہ جن آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے اس سے متعلق روایات کو اسی ترتیب کے ساتھ پیش کر دیا جاتا ہے یعنی پہلی آیت جو بھی تھی پہلی روایات اسی سے مربوط و وابستہ ہیں اور اسی ترتیب کے ساتھ یہ سلسلہ آگے بڑھتا ہے۔

یہ طریقہ در حقیقت ایک خوبی اور ایک خرابی کا حامل ہے۔ عیب و برائی یہ ہے کہ جب کسی ایک آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے تو انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس سلسلے کی جملہ معلومات ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں یعنی مذکورہ آیہ کریمہ کے سلسلے میں جو روایات ہیں انہیں بھی اسی جگہ پر بیان کر دیا جائے انہیں علحدہ بیان نہ کیا جائے کبھی کبھی یہ روایات تین چار صفحات تک پھیل جاتی ہیں۔ روایاتی بحث میں ایسی روایات آتی ہیں کہ فقط اہل فن ہی انہیں ایک دوسرے سے الگ کر سکتے ہیں لیکن علامہ کا امتیاز یہ ہے کہ روایاتی بحث کو مکمل طور پر بیان کرنے کے لئے کبھی کبھی وہ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہیں اور اگر انہوں نے یہ چاہا

کہ وہ تفسیر کے دوران ہر آیت کے ذیل میں یہ کام انجام دیں تو دوبارہ انہیں وہی تشویش پیدا ہو جاتی ہے۔

علامہ طباطبائی روایات کے انتخاب اور نقل کرنے میں نہایت دقت اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ تفسیروں میں اسرائیلی اور ضعیف روایات کی تعداد زیادہ ہے چنانچہ علامہ نے سنّی اور شیعہ تفسیروں میں سے بہترین کا انتخاب کیا ہے۔ جہاں تک شیعہ تفسیروں کا سوال ہے عام طور پر انہوں نے شیعہ کتب حدیث مثلاً اصول کافی، کتب صدوق اور کبھی کبھی مجمع البیان سے روایات نقل کی ہیں اور اس کے بعد علامہ سیوطی کی معرکتہ الارا تفسیر درالمنثور کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس میں اہل سنت کی تفسیری روایات کو بڑے سلیقے اور غیر معمولی نظم و ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور یہ تفسیر اس لحاظ سے نہایت غنی اور مفید ہے۔

کسی آیہ کریمہ کے ذیل میں جو روایات نقل ہوتی ہیں تو کبھی سبھی لوگ اس سے متفق ہوتے ہیں اور کبھی کچھ معترض بھی پیدا ہو جاتے ہیں چنانچہ علامہ اس بات کی بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا اعتراض دور ہو جائے۔ کبھی روایت مذکورہ آیت سے میل نہیں کھاتی ہے تو وہ خود ہی تنقید کرنے لگتے ہیں فقط روایت نقل کر کے الگ نہیں ہوتے کہ کل قاری جب اس کا مطالعہ کرے تو سرگرداں رہ جائے اور یہ نہ سمجھ سکے کہ کیا نتیجہ برآمد ہوا۔ چنانچہ آیہ کریمہ سے مطابقت نہ رکھنے والی روایات کو کبھی کبھی وہ پوری طرح رد کر دیتے ہیں، اس پر اعتراض اور نکتہ چینی کرتے ہیں اور کبھی یہ کہنے لگتے ہیں کہ لوگوں نے جو شان نزول بیان کیا ہے وہ آیہ کریمہ سے مطابقت نہیں رکھتی لہٰذا یا تو یہ کسی دوسری آیہ کریمہ کے لئے ہے یا پھر بعض مفسرین کے ذہن کی ایجاد ہے علامہ اس بات کی

قطعی پرواہ نہیں کرتے کہ احادیث شیعہ کتب سے منقول ہیں یا سنی کتب سے بلکہ وہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ آیہ کریمہ سے میل کھاتی ہیں یا نہیں اگر کوئی روایت آیت سے مطابقت نہیں رکھتی یا اس سے دینی ذوق اور دین کے اصولوں میں سے کسی اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو وہ اس کی تردید کرنے میں ذرہ برابر ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے بلکہ اعلانیہ طور پر واضح لفظوں میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ روایت آیت کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

علامہ طباطبائی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے بڑی وسیع النظری سے کام لیا ہے اور اپنی تفسیر کو صرف شیعہ روایات پر منحصر نہیں کیا ہے۔ ہم لوگوں کو جملہ علوم وفنون میں دوسروں کے افکار وخیالات کا بھی احترام کرنا چاہئے۔ عصر حاضر کے نامور استاد مرحوم آیت اللہ بروجردی بالخصوص فقہ کے سلسلے میں کہا کرتے تھے کہ اہل سنت کی فقہ کا مطالعہ کئے بغیر کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں تحقیق نہیں کی جاسکتی ہے۔ موصوف یہ بھی کہا کرتے تھے کہ شیعہ فقہ تو اہل سنت کے فقہ کے حاشیہ میں ہے۔ اس زمانے کی علمی محفلوں میں جو فقہ رائج تھی وہ درحقیقت فقہ اہلسنت ہے شیعہ حضرات یا خود سنی لوگ جب کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں سنتے تھے تو اسے ائمہ کی خدمت میں عرض کردیتے تھے اور ائمہ علیہم السلام یا تو ان کی تصدیق کردیتے تھے یا بالکل رد فرمادیتے تھے اور یا یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اہلسنت کی تفسیروں میں زیادہ تر روایات حضرت علی علیہ السلام یا کسی دوسرے امام یا پھر کسی معتبر ونیک نام صحابی سے منقول اور سب کی نظر میں موثق ہیں مثلاً زیادہ تر روایات ابن عباس دعلیہ سے مروی ومنقول ہیں۔ کسب علم کے سلسلے میں ہمیں ہرگز تعصب

سے کام نہ لینا چاہئے اور علامہ نے اس سلسلے میں بڑی وسعت نظر سے کام لیا ہے معالطہ کے دوران آپ کو اس حقیقت کا اندازہ ہوگا کہ شیعہ حضرات نے ائمہ علیہم السلام سے جو روایات نقل کی ہیں وہی روایات سنی کتب میں رسول اکرمؐ اور ان کے اصحاب سے منقول ہیں۔ اس سے دونوں جماعتوں کی تقویت ہوتی ہے۔ اور سچ پوچھئے تو محققانہ کام بھی یہی ہے۔ جملہ مسلمانوں کے افکار و عقائد کو نگاہ میں رکھے بغیر فکری امور و مسائل میں کوئی صائب نظریہ پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اور روایات کے سلسلے میں بھی یہی نظریہ کار فرما ہے البتہ اپنے بنیادی اصولوں کی حفاظت کے سلسلے میں ہم پوری طرح آزاد ہیں۔ ہم نے کبھی کسی ایسی قطعی روایت پر، جو آئمہ سے منقول ہو، غیر آئمہ سے منقول روایت کو ہرگز ترجیح نہیں دی۔ لیکن بہر صورت تحقیقی کام یہ ہے کہ انسان اس راہ میں کوشش کرے اور مباحث کو مختلف طریقوں اور عقیدوں کی روشنی میں کسی قسم کی توصیف کے بغیر تحقیق کی کسوٹی پر الٹ پلٹ کر دیکھے اس کے بعد کوئی نتیجہ اخذ کرے اور مرحوم علامہ طباطبائی نے اس معیاری تحقیقی راہ و روش کی بھرپور پیروی کی ہے۔

علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر میں کسی ایسی روایت کو، جس کا تعلق اہلسنت یا کسی دوسرے مسلمان فرقے سے ہو، نقل نہیں کیا ہے جس میں کسی قسم کی جسارت پائی جاتی ہو۔ مثلاً آیہ غار ۲۳؎ کے ذیل میں وہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر لوگوں نے ایک اور بات بھی کہی ہے جس کو اتحاد و احترام کو نگاہ میں رکھتے ہوئے ہم اس جگہ ذکر کا موضوع نہیں بناتے۔ یہ انداز بیان انہوں نے درحقیقت مرحوم طبرسی ۲۴؎ سے لیا ہے۔ اس جگہ پر بعض لوگوں نے یہ کہنا چاہا ہے کہ اس آیہ قرآن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غار میں پیغمبر کے ساتھ کوئی مومن موجود نہیں تھا۔ بہر حال علامہ طباطبائی نے ادب کا خاص خیال رکھا ہے۔ اگر انسان

حق بات کو ادب کے ساتھ بیان کرتا ہے تو اسے باطل کی تردید بھی ادب کے ساتھ کرنی چاہئے اور یہی پسندیدہ تحقیقی راہ و روش رہی ہے۔

علامہ طباطبائی نے اسرائیلی، ضعیف اور تاویلی روایات کو نقل کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ شیعہ طریقے سے کتب تفسیر میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں سے زیادہ تر تاویلی ہیں۔ مرحوم شیخ طوسی بنیادی طور پر ان روایات کی پرواہ نہیں کرتے اور مرحوم طبرسی بھی ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کرتے لیکن شیعہ روایاتی تفسیروں میں سید ہاشم بحرانی نے تفسیر برھان اور فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں ان روایات کی طرف توجہ کی ہے۔ علامہ طباطبائی نے بعض مسائل میں ان روایات کا کچھ حصہ نقل کیا ہے اور اس کی تعبیر پیش کرتے ہوئے کہا ہے۔ "ھذا من باب الجری "یعنی جری کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک بات سے دوسری بات حاصل کرنا۔ ہم نے اس اصطلاح کی بنیاد تک رسائی حاصل کرلی۔ بعض روایات میں منقول ہے کہ مثلاً" ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض..." والی آیہ مبارکہ کے بارے میں امام نے فرمایا ہے کہ یہ بنی اسرائیل کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور تاویلی اعتبار سے یہ ہم لوگوں کے بارے میں ہے۔ علامہ طباطبائی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں۔ "ھذا من باب الجری "اس کا مقصد اس شبہ کی تردید ہے کہ اس سے قبل اور بعد کی آیت تو بنی اسرائیل کے بارے میں ہے پھر درمیان کی یہ ایک آیت آئمہ کے بارے میں کیسے آگئی؟

آخری بات:

آخری بات جس کی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں اس کا تعلق ان خاص عناوین سے ہے جن کے بارے میں علامہ طباطبائی نے المیزان میں مستقل علمی بحث کی ہے جیسے

فلسفی بحث، کلامی بحث اور سماجی بحث وغیرہ اور اسی طرح قصص انبیاء کے ذیل میں انہوں نے قرآنی ارشادات اور تاریخی بیانات کو نگاہ میں رکھتے ہوئے پیغمبروں سے متعلق قصوں کو ایک ہی جگہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ کی تفسیر کے ذیل میں وہ حضرت ابراہیم علیہ اسلام کے بارے میں وہ مکمل بحث ایک ہی جگہ پیش کر دیتے ہیں اور دوسری جگہ اس بحث کی تکرار نہیں کرتے اور غور سے دیکھا جائے تو یہ تمام بحث نہایت مفید ہیں مثلاً "المراۃ فی القرآن "، "النفاق فی القرآن "اور "التفکیر الاسلامی "وغیرہ۔ در حقیقت مختلف موضوعات پر کی جانے والی یہ علحدہ اور تفصیلی بحث طرح طرح کی معلومات فراہم کرتی ہے جس کو دوسری عبارت میں دائرۃ المعارف کا نام دیا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ المیزان کے لئے لکھی گئی کتاب الدلیل میں ان تمام موضوعات کی فہرست موجود ہے۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر علحدہ بحث کی شروعات اس سے قبل "تفسیر المنار" میں آچکی ہے جیسے "الوحدۃ فی القرآن" وغیرہ۔ علامہ طباطبائی نے المیزان میں پوری طرح اس راہ وروش کی پیروی کی ہے۔

تفسیر فخر رازی میں بھی علمی مباحث کی فراوانی دکھائی دیتی ہے لیکن کسی علمی موضوع پر الگ سے کوئی بحث نہیں کی گئی بلکہ دوسری تفسیری بحث کے دورن ہی ان مباحث کو بھی پیش کر دیا گیا ہے اور شاید علامہ شیخ آقا بزرگ تہرانی المیزان کی اسی خوبی سے متاثر ہو کر اپنی کتاب "الذریعہ الیٰ تصانیف الشیعہ" میں اس تفسیر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر ممکن ہو تو اسکا نام تفسیر رکھا جاسکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ المیزان میں تفسیر کے علاوہ دوسری بحث کی فراوانی دکھائی دیتی ہے جو تفسیر کے دائرۃ میں نہیں آتی البتہ علامہ نے اس قسم کی بحثوں کے ذریعہ صرف المیزان کی ہی نہیں بلکہ خود اپنی جامعیت کی دلیل

فراہم کردی ہے۔ مشہد یونیورسٹی میں المیزان میں موجود اقتصادی اور سماجی مباحث پر مختلف تحقیقی مقالات لکھے جاچکے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ طباطبائی نے ایک ماہر فنکار کی حیثیت سے اپنے فن کی نمائش کا اہتمام کیا ہے جس سے مزید تحقیق کی راہیں ہموار ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے:

۱۔المیزان جلد۱۹ص۔۲۶۳
۲۔المیزان جلد۷اص۔۶۲
۳۔المیزان جلد۹ص۔۱۴۶۔
۴۔المیزان جلد۱۰ص۔۷
۵۔المیزان جلد۱۰ص۔۱۳۵
۶۔ تفسیر المیزان جلد۷ص۔۶
۷۔ تفسیر المیزان جلد ۱۱ ص۔ ۷۴
۸۔ تفسیر المیزان جلد ۱۱ ص۲۹۵
۹۔ تفسیر المیزان جلد۱۲ص۔۷
۱۰۔ تفسیر المیزان جلد ۱۲ص۔۹۶
۱۱۔ تفسیر المیزان جلد۱۵ص۔۸۷
۱۲۔نور/۳۵
۱۳۔ تفسیر المیزان جلد ۱۴ص۔۱۱۹
۱۵۔طہ/۸
۱۶۔ تفسیر المیزان جلد۸ص۔۷
۱۷۔سورہ انعام/۱۴۵
۱۸۔سورۂ اعراف/۳۳
۱۹۔ تفسیر المیزان جلد۱۵ص۔۲۵۰
۲۰۔سورہ شعراء/۱۴
۲۱۔سورہ حجر/۹۲
۲۲۔ تفسیر المیزان جلد۸ص۔۶
۲۳۔ تفسیر المیزان جلد۱۸ص۔۶
۲۴۔المیزان جلد۹
۲۵۔ مجمع البیان سید اجلد ۳ ص۳۱۔ "وقد ذكرت الشيعة فى تخصيص النبى فى هذه الآيه بالسكينة كلاماًرأينا الاضراب على ذكره اخرى لئلا يتسبنا ناسب الى شئى.

☆☆☆☆☆